© rasailojaraid.com

پروفیسر عبدالجبار شاکر رحمۃ اللہ علیہ

مولانا محمد اسحاق بھٹی لاہور

کم و بیش تیس برس پہلے کی بات ہے کہ مجھے جڑاں والا (ضلع فیصل آباد) سے میرے بعض عزیزوں نے ٹیلی فون پر بتایا کہ تین روز بعد یہاں فیصل آباد کے ڈپٹی کمشنر کی صدارت میں ایک جلسہ ہو رہا ہے، جس میں دیو بندی، بریلوی، شیعہ اور اہل حدیث حضرات کو سرکاری طور پر اطلاع دی گئی ہے کہ وہ اپنی اپنی جماعت کے ایک ایک مقرر کو دعوت دیں جو اس مجمعے میں مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق کی تلقین کریں اور اس اختلاف سے دامن بچا کر رکھنے کا درس دیں، جس سے امت میں فساد پھیلنے کا اندیشہ ہو۔ سامعین محدود تعداد میں ہوں گے جن میں ضلع کے حکام بھی شرکت کریں گے۔ عام مقرر سے کام نہیں چلے گا، یہاں ایسے مقرر کی ضرورت ہے جو اپنے انداز خطابت سے حاضرین کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اس وقت میں ادارہ ثقافت اسلامیہ میں تصنیفی خدمات انجام دیتا تھا۔ ٹیلی فون سن کر سوچ رہا تھا کہ کس مقرر سے رابطہ کیا جائے اور انھیں وہاں جانے کے لیے کیسے آمادہ کیا جائے۔ اتنے میں ایک دوست آئے اور ان سے بات کی تو انھوں نے فوراً کہا، اس کے لیے پروفیسر عبدالجبار شاکر سے رابطہ کرو۔ وہ اس مجمعے کے لیے موزوں مقرر ثابت ہوں گے۔

میں نے یہ نام پہلی دفعہ سنا تھا۔ پوچھا وہ کہاں رہتے ہیں۔ میں ان سے واقف نہیں۔ ظاہر ہے، وہ بھی مجھے نہیں جانتے ہوں گے۔ انھوں نے ان کا ٹیلی فون نمبر دیا اور میں نے نمبر گھمایا تو آواز آئی۔ ''السلام علیکم'' نہایت میٹھی اور نرم آواز! میں نے اپنا نام بتایا تو بولے۔ میں آپ کو جانتا ہوں۔ آپ نے یاد کیا۔ بہت بہت شکریہ۔

خیر و عافیت کے تبادلے کے بعد عرض مدعا کیا تو کہا: ضرور جاؤں گا۔ بس یہ بتایئے کہ کس جگہ جانا ہے اور کس وقت جانا ہے۔

میں نے عرض کیا: ان سے پوچھ کر بتاتا ہوں کہ آپ کے وہاں پہنچنے کی کیا صورت ہوگی؟

نستعلیق لہجے اور مہذبانہ اسلوب میں جواب دیا: ''وہاں پہنچنے کی صورت کا کیا مطلب؟'' آپ نے کہہ دیا۔ یہ کافی ہے اور میں چلا جاؤں گا۔

تیسرے دن ان کو لینے کے لیے گاڑی آئی اور وہ چلے گئے۔ تقریر کے بعد جڑاں والا سے ٹیلی فون آیا کہ بہت اچھا پروگرام ہوا اور ہمارے مقرر کی تقریر بہت پسند کی گئی۔ ڈپٹی کمشنر نے اپنی صدارتی تقریر میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موضوع کے متعلق خاص طور سے ان کی بعض باتوں کا حوالہ دیا۔

اگلے دن پروفیسر عبدالجبار شاکر نے ٹیلی فون کیا کہ میں کچھ باتیں کر آیا ہوں لیکن یہ معلوم نہیں کہ ان باتوں کا ضلعے کے اہل کاروں اور دوسرے لوگوں نے کیا اثر لیا۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور بتایا کہ مختصر الفاظ میں منتظمین کا تاثر یہ ہے کہ آپ نے میلہ لوٹ لیا۔

ظاہر ہے انسانی فطرت کے مطابق انھیں خوش ہونا چاہیے تھا اور وہ خوش ہوئے۔

ابھی تک ان سے میری ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ یہ سب ٹیلی فونک گفتگو تھی۔ اس سے چوتھے روز ریڈیو پاکستان (لاہور) سے ایک مذاکرے میں شرکت کی دعوت آئی، جس میں پروفیسر عبدالجبار شاکر صاحب بھی شامل تھے۔ اب ان سے ملاقات کا موقع ملا۔ میانہ قد، سرخی مائل گندمی رنگ، گول چہرہ، کشادہ پیشانی، آنکھوں میں ذہانت کی چمک، شلوار قمیص میں ملبوس، سر پر قراقلی ٹوپی، میٹھی آواز، خوب صورت طرزِ کلام، دل کش اسلوب بیان۔

یہ ان سے پہلی ملاقات تھی جو ریڈیو پاکستان لاہور میں ہوئی اور اسی موقع پر پتا چلا کہ وہ بھٹی برادری سے تعلق رکھتے ہیں۔ برادری کے نقطۂ نظر سے یہ بات میرے لیے مزید باعثِ مسرت تھی۔

پروفیسر عبدالجبار شاکر کے والد مکرم کا اسم گرامی حکیم عبدالعزیز تھا اور وہ دراصل حسین خاں والا (تحصیل پتوکی ضلع قصور) کے رہنے والے تھے۔ دینیات کے عالم تھے اور دارالحدیث رحمانیہ (دہلی) کے فارغ التحصیل۔

عبدالجبار شاکر کی ولادت یکم جنوری ۱۹۴۷ء کو موضع میر محمد (ضلع قصور) میں ہوئی۔ والد مکرم نے ان کا نام ایک بہت بڑے عالم و صالح بزرگ حضرت الامام سید عبدالجبار غزنوی کے نام پر ''عبدالجبار'' رکھا۔ وہ زندگی کی منزلیں طے کرنے لگے تو اس نام کے جو ''تفاؤلاً'' رکھا گیا تھا، بہت سے آثار ان میں نمایاں ہوئے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم شام کوٹ اور حسین خاں والا میں حاصل کی۔ بی۔ اے ساہی وال کے گورنمنٹ کالج سے پاس کیا۔ پھر لاہور آکر پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج میں داخلہ لیا اور ایم اے اردو کے امتحان میں اول پوزیشن میں کامیاب ہوئے۔

اس کے بعد ملازمت کا سلسلہ چلا، جس کا آغاز لیاقت پور سے ہوا۔ پھر ۱۹۷۶ء سے ۱۹۸۲ء تک شیخوپورہ کالج میں لیکچرر کی حیثیت سے خدمت انجام دی۔ ۱۹۸۲ء میں صوبہ پنجاب کی لائبریریوں کے ڈائریکٹر جنرل مقرر کیے گئے۔ ۲۰۰۴ء تک اس منصب پر متمکن رہے۔

فیصل مسجد اسلام آباد کی خطابت ایک معززانہ عہدہ ہے جس پر انھیں فائز کیا گیا۔ علمی اعتبار سے اللہ نے انھیں متعدد اعزازات سے نوازا۔ ڈائریکٹر شریعہ اکادمی، ڈائریکٹر جنرل دعوہ اکیڈمی، ڈائریکٹر نیشنل سیرت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چیئر۔ یہ نہایت اہم عہدے ہیں جن پر وہ فائز رہے۔

جس زمانے میں وہ پنجاب لائبریریز کے ڈائریکٹر جنرل تھے، لائبریریوں کے لیے پرانی کتابیں خریدنے کے لیے ایک کمیٹی بنائی گئی تھی، جو سات آٹھ ارکان پر مشتمل تھی، اس کا ایک رکن مجھے بھی بنایا گیا تھا۔ ڈاکٹر وحید قریشی، ڈاکٹر سیف الرحمٰن ڈار (سابق ڈائریکٹر عجائب گھر لاہور) اور ائیر کموڈور انعام الحق بھی ان ارکان میں شامل تھے۔ ڈیڑھ دو مہینے کے بعد اس کمیٹی کا اجلاس قائد اعظم لائبریری میں منعقد کیا جاتا تھا۔ اس کی کارروائی پروفیسر عبدالجبار شاکر لکھتے تھے۔ اس زمانے میں بہت سی نئی اور پرانی کتابوں کا پتا چلا۔

پروفیسر عبدالجبار شاکر کو کتابوں سے بے حد دلچسپی تھی۔ وہ اپنی ذاتی لائبریری کے لیے کتابیں خریدتے اور ان کا مطالعہ بڑے اہتمام سے کرتے تھے۔ ان کی لائبریری مختلف و متنوع موضوعات کی ایک لاکھ سے زیادہ کتابوں پر محیط ہے اور اس کا نام انھوں نے ''بیت الحکمت'' رکھا ہے۔ وہ واقعی بیت الحکمت ہے۔ دانائی کا گھر۔ علم وخرد کا دلآویز خزانہ۔ اہل علم کا مرجع۔ یہ کتب خانہ پانچ ہزار مخطوطات کے وسیع ذخیرے پر مشتمل ہے۔ اس میں ایک ہزار قلمی قرآن مجید ہیں جو صدیوں پیشتر مختلف اوقات میں، مختلف ملکوں کے مشاہیر کاتبوں نے مختلف اسالیب کتابت میں لکھے۔ دنیا کی ۸۳ زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم اس کتب خانے کی زینت ہیں۔

تفسیر، حدیث، فقہ، سیرت، سفرنامے، سوانح عمریاں، لغات، ادب و شعر، تنقیدات، شخصیات، سیاسیات، ناول، افسانے، مختلف ملکوں کی تاریخ سے متعلق کتابیں، مقالات۔ غرض ہر موضوع کی کتابیں اس لائبریری میں موجود ہیں۔ پھر بہت سے رسائل و جرائد کے خاص نمبروں کا ایک انبار وہاں دکھائی دیتا ہے۔ ابوالکلام آزاد، اقبال، غالب اور دیگر شخصیات سے متعلق سیکڑوں کتابیں خاص ترتیب کے ساتھ شائقین علم و تحقیق کے لیے اس لائبریری میں رکھی گئی ہیں۔ عربی، فارسی، اردو، ہندی، انگریزی، پشتو، سندھی ہر زبان کی کتابیں اس کتب خانے میں قاری کو ملیں گی۔ اپنی نوعیت کی یہ واحد لائبریری ہے۔

بعض لوگ کتابیں خریدنے اور پڑھنے کا شوق رکھتے ہیں لیکن ان کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد معاملہ کچھ دوسری قسم کا ہو جاتا ہے۔ ایک دن میں نے ان سے گفتگو کرتے ہوئے دبے لفظوں میں اس صورت حال سے متعلق عرض کیا، تو فوراً جواب دیا میں تمھاری بات سمجھ گیا۔ پھر ایک نوجوان کی طرف اشارہ کر کے کہا، اس کتب خانے کی حفاظت اور اس میں اضافے کی ذمہ داری اس نے لے لی ہے۔ یہ نوجوان تھے ان کے صاحب زادے جمال الدین افغانی! باپ کی طرح خوش کلام اور شرافت کا پیکر۔

پروفیسر عبدالجبار شاکر شستہ بیان مقرر اور شائستہ کلام اہل علم تھے۔ حلاوتِ لسان ان کا شیوہ اور متحمل مزاجی ان کا پیشہ تھا۔ دھیمے انداز میں بات کرتے اور خوب صورت الفاظ میں اس کو آگے بڑھاتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاتے۔ فارسی اور اردو کے بے شمار اشعار انھیں زبانی یاد تھے اور تحریر وتقریر میں بہ وقتِ ضرورت مناسب مقام پر شعر لکھتے اور پڑھتے۔ زبان کی روانی اور خوش کلامی ان کا ایسا وصف تھا جو کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔

انھوں نے کوئی کتاب تو نہیں لکھی، لیکن مقدمات بہت سی کتابوں پر لکھے۔ متعدد کتابوں کے فلیپ لکھے۔ ان کے تحریر کردہ مقدمے بڑے جان دار اور مفصل ہیں۔ میری تین کتابوں پر مقدمے لکھے اور تین ہی کے فلیپ سپردِ قلم کیے۔ جن پر مقدمے لکھے وہ ہیں: (۱) تذکرہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری (۲) تذکرہ میاں عبدالعزیز مالواڈہ بارایٹ لا اور (۳) گزر گئی گزران۔۔۔ نمبر۲ اور ۳ ادارہ کتاب سرائے اردو بازار لاہور نے شائع کیں، جن کے فلیپ لکھے، وہ ہیں (۱) قافلہ حدیث (۲) ہفت اقلیم اور (۳) برصغیر میں علم فقہ۔۔۔ نمبر۳ کتاب بھی ادارہ کتاب سرائے کی طرف سے معرضِ اشاعت میں آئی۔ ''گزر گئی گزران'' چار سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے جو کھڑے اکھڑے لفظوں اور بے ربط پیراؤں میں اس فقیر کی ''سرگزشتِ حیات'' ہے۔ اس پر ان کا مقدمہ آٹھ صفحات کا ہے، مجھے مان لینا چاہیے کہ آٹھ صفحات کا یہ مقدمہ معلومات کی فراوانی اور طرز نگارش کے حسن کے اعتبار سے میرے تحریر کردہ چار سو سے زائد صفحات پر بھاری ہے۔ اور یہ آخری تحریر ہے جو ان کے کلکِ گہر بار سے نکلی۔ اس کے بعد وہ اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے اور ان کے قلم کی رفتار ہمیشہ کے لیے رک گئی۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ یہ ان کے پُر بہار قلم کی آخری نشانی ہے جو وہ میرے اوراقِ پریشان کے حوالے کر گئے۔ اس کا عنوان انھوں نے ''حرفِ اول'' رکھا، لیکن درحقیقت وہ ان کی زبانِ قلم کا ''حرفِ آخر'' ہے۔ جی چاہتا ہے، اس مناسبت سے میں اپنی اس کتاب کا نام ''حرفِ آخر'' رکھوں۔ اس لیے بھی کہ یہ زندگی کے آخری دور میں لکھی گئی ہے۔

میں نے ہنسی مذاق میں انھیں کئی دفعہ کہا کہ آپ بے شک ''مقدمہ بازی'' بھی کرتے رہیے، لیکن کسی موضوع پر کوئی کتاب بھی لکھیے۔ میرے خیال میں انھوں نے زیادہ تر مقدمات ''حرفِ اول'' کے عنوان سے تحریر کیے ہیں۔ ان کے عزیز القدر صاحب زادوں کو یہ مقدمات کتابی صورت میں شائع کر دینا چاہئیں۔ ان مقدمات میں علم، ادب، تحقیق سب عناصر فراوانی سے پائے جاتے ہیں۔ عام مقدمہ نویسوں سے ہٹ کر انھوں نے مقدمہ نویسی کی ایک نئی طرز سے اہل علم کو روشناس کرایا ہے۔ علاوہ ازیں مختلف رسائل وجرائد میں ان کے مضامین و مقالات چھپتے رہے ہیں جو بڑے اہم ہیں، انھیں بھی چھاپ دیا جانا چاہیے۔

وہ بہت متحرک اہل علم تھے اور ہر وقت مصروفیات کے ہجوم میں گھرے رہتے تھے، اس لیے کسی خاص موضوع پر کوئی کتاب لکھنے کا انھیں موقع نہیں ملا، لیکن ان کے مقدمات اور فلیپ اگر کتابی شکل میں چھپ جائیں تو اصحابِ ذوق یقیناً علم وادب اور تحقیق وکاوش کی ایک نئی کہکشاں سے متعارف ہوں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میری ان سے شناسائی کا عرصہ کم وبیش بتیس سال کے شب و روز میں پھیلا ہوا تھا۔ جب بھی ان سے ملاقات ہوئی وہ نہایت خندہ پیشانی سے پیش آئے۔ اسلامی تہذیب کا چلتا پھرتا نمونہ اور معاشرتی ثقافت کا حسین مجسمہ تھے۔

انھوں نے علوم دینیہ کسی مدرسے میں خاص تسلسل کے ساتھ نہیں پڑھے۔ مختلف اوقات میں مختلف حضرات سے استفادہ کیا، جن میں جامعہ سلفیہ کے شیخ الحدیث مولانا حافظ عبدالعزیز علوی کا اسم گرامی قابل ذکر ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ زیادہ تر ان کا اپنا مطالعہ اور گھر کا ماحول تھا، جس سے ان کے فکر میں اسلامیت کی جڑیں مضبوط ہوئیں اور دینی حلقوں میں انھوں نے ایک عالم دین کے طور پر شہرت پائی اور پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ اسلام آباد کی فیصل مسجد کی خطابت ان کے حصے میں آئی جسے ان کی زندگی کے ایک بڑے اعزاز سے تعبیر کرنا چاہیے۔ علمی اور تحقیقی اعتبار سے وہ قدیم و جدید کا دل کش اور خوب صورت مجموعہ تھے۔

چند مہینے پیشتر ادارہ کتاب سرائے کی طرف سے مولانا عبدالغفار حسن کے صاحب زادۂ گرامی ڈاکٹر صہیب حسن کا سفرنامہ ''ابن بطوطہ ہوا کرے کوئی'' کے عنوان سے چھپا۔ بہت اچھا نام ہے اور بہت عمدہ انداز میں ڈاکٹر صاحب نے اپنی روداد سفر قلم بند کی ہے۔ یہ سفرنامہ بھی ہے اور اردو ادب و انشا کی ایک خوش کن سلسبیل بھی ہے۔ اس کی تقریب افتتاح اسلام آباد میں پروفیسر عبدالجبار شاکر کے اہتمام میں ہوئی، جس میں مجھے بھی دعوتِ شرکت دی گئی تھی۔ متعدد حضرات نے اس سفرنامے سے متعلق اظہار خیال کیا، میں نے بھی چند باتیں کیں۔ کچھ عرصے سے میں اکیلا سفر نہیں کرتا، کسی خوش مزاج شخص کو ساتھ لے جاتا ہوں۔ اس دن ماہنامہ ''الاخوہ'' کے مینجر حافظ منیر احمد قمر کو ساتھ لے گیا تھا۔ شام کے بعد تقریب سے فارغ ہوئے تو پروفیسر عبدالجبار شاکر لاہور کی بس پر سوار کرانے کے لیے خود بس سٹاپ تک ہمارے ساتھ آئے اور خود ہی ٹکٹ لائے۔ بس کی روانگی تک ہمارے ساتھ رہے۔ چند کتابیں بھی عنایت فرمائیں۔ جن میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے فارسی ترجمے والا قرآن مجید بھی تھا۔

کتاب ''ابنِ بطوطہ ہوا کرے کوئی'' ادارہ کتاب سرائے، غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور نے شائع کی ہے۔

یکم، ۲، ۳۔ اگست ۲۰۰۹ء کو ادارہ تحقیقات اسلامی (اسلام آباد) میں ''جنوبی ایشیا میں اسلامی قانونی فکر اور ادارے'' کے موضوع پر سیمینار ہوا، جس میں مجھے بھی اس موضوع کے کسی پہلو کے متعلق مقالہ پڑھنے کی دعوت دی گئی تھی۔ اس سیمینار کی مجلس انتظامیہ کے سرکردہ ارکان میں پروفیسر عبدالجبار شاکر کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ بلکہ کہنا چاہیے کہ وہ اس سیمینار کے مدار المہام تھے۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق میں نے یکم اگست کو مقالہ پڑھا اور میرا یہ پورا دن سیمینار میں تشریف لانے والے اہل علم کی خدمت میں گزرا۔ بہت سے حضرات سے ملاقات ہوئی اور ان کے افکار عالیہ سے استفادے کا موقع ملا۔ اس قسم کے مواقع بہت کم میسر آتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسرے دن ۲۔اگست کوان سے اجازت لے کر میں مری، ایوبیہ اور نتھیا گلی چلا گیا۔ ۳۔اگست کوان سے ملاقات ہوئی تو کہا کل آپ نہیں آئے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے دو پروفیسر سیمینار میں شرکت کے لیے آئے ہیں۔ ایک پروفیسر ڈاکٹر ظفر الاسلام اور دوسرے پروفیسر ڈاکٹر مفتی محمد شمیم اختر۔ انھوں نے کل مقالے پڑھے اور مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ ڈاکٹر ظفر الاسلام نے اپنے مقالے کے متعدد مقامات میں تمھاری کتاب ''برصغیر میں علمِ فقہ'' کے حوالے دیئے۔ وہ تمھارے متعلق بار بار پوچھ رہے تھے اور تم سے ملنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ میں ان ہندوستانی اہل علم سے ملا اور ان سے مل کر مجھے بے حد مسرت ہوئی۔(۱)۔

یہ آخری ملاقات تھی جو پروفیسر عبدالجبار شاکر سے اس سیمینار میں ہوئی۔

میں ۴۔اگست کو لاہور واپس آ گیا۔ دو تین مرتبہ ٹیلی فون پر ان سے بات ہوئی۔ اردو بازار (کتاب سرائے) میں ان کے صاحب زادوں جمال الدین افغانی اور رفیع الدین حجازی سے بھی کئی دفعہ ملاقات ہوئی۔ یہ مجھے معلوم تھا کہ وہ دل کے مریض ہیں اور ایک دفعہ کوئی آپریشن بھی ہوا تھا۔

۱۳۔اکتوبر ۲۰۰۹ء کو گیارہ بجے کے قریب ٹیلی فون کی گھنٹی بجی، رسیور اٹھایا تو ماہنامہ ''الاخوۃ'' کے مینیجر حافظ منیر احمد قمر کی آواز آئی کہ پروفیسر عبدالجبار شاکر وفات پا گئے۔ یہ ناگہانی خبر تھی، جسے سننے کا کبھی خیال بھی نہیں آیا تھا۔ لیکن سننا پڑی اور سن کر بے حد افسوس ہوا۔ پھر تھوڑی تھوڑی دیر بعد کئی ٹیلی فون آئے۔ ان کے صاحب زادے جمال الدین افغانی کو ٹیلی فون کیا تو پتا چلا کہ اسلام آباد کے الشفا انٹرنیشنل میں دل کی بیماریوں کے ماہر ڈاکٹر ان کا بائی پاس آپریشن کر رہے تھے کہ آپریشن کے دوران ہی وہ اللہ کو پیارے ہو

(۱) میری کتاب ''برصغیر میں علم فقہ'' آج سے ۳۷ سال پہلے ۱۹۷۳ میں ادارہ ثقافت اسلامیہ کی طرف سے لیتھو پر شائع ہوئی تھی۔ اب 2009ء میں نہایت خوب صورت طریقے سے کمپوز کر کے ادارہ کتاب سرائے اردو بازار لاہور نے شائع کی ہے۔ کاغذ، طباعت بہت عمدہ۔

گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کا پہلا جنازہ فیصل مسجد (اسلام آباد) میں پڑھا گیا۔ پھر دوسرا جنازہ رات کو ساڑھے نو بجے کمیٹی باغ شیخوپورہ میں جامعہ سلفیہ کے شیخ الحدیث حافظ مسعود عالم نے پڑھایا۔

مرحوم کا دائرہ مراسم بہت وسیع تھا۔ جنازے میں ہر شعبہ ہائے زندگی کے بے شمار لوگ شامل تھے۔ ان کی موت سے علم و تحقیق کا ایک باب بند ہو گیا اور ادب و انشا کو شدید صدمہ پہنچا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ ان کا سوگ کس سے کیا جائے۔ وہ سب کے دوست تھے اور ان کی اچانک رحلت پر سبھی سوگ وار ہیں۔ ان سے ملنے اور تعلق رکھنے والوں کے دلوں کے آنگن میں صف ماتم بچھی ہوئی ہے۔ آیئے سب مل کر ان کے لیے دعا کریں۔

اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ وادخلہ جنت الفردوس۔

© rasailojaraid.com